HABIBIA ISLAMICUS
(The International Journal of Arabic &Islamic Research) (Quarterly) Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN:2664-4916 (P) 2664-4924 (E)
Home Page: http://habibiaislamicus.com
Approved by HEC in Y Category
Indexed with: IRI (AIOU), Australian Islamic Library, ARI, ISI, SIS, Euro pub.
PUBLISHER HABIBIA RESEARCH ACADEMY
Project of **JAMIA HABIBIA INTERNATIONAL,** Reg. No: KAR No. 2287 Societies Registration Act XXI of 1860 Govt. of Sindh, Pakistan.
Website: www.habibia.edu.pk,
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

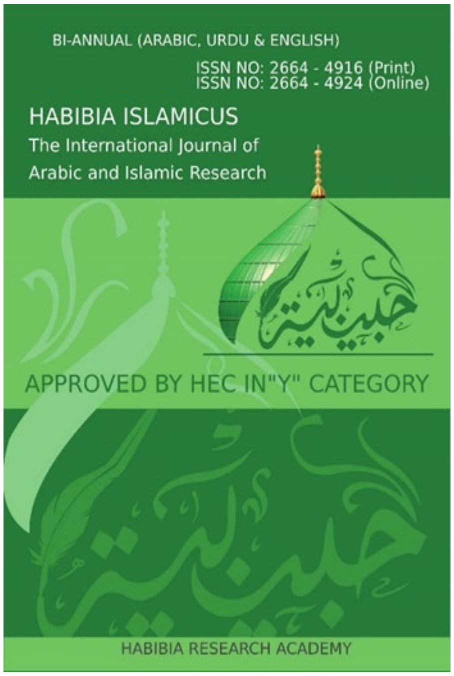

TOPIC:

THE QURANIC TEACHINGS REGARDING INTERSTATE RELATIONS

بین الممالک تعلقات سے متعلق قرآن حکیم کی تعلیمات

AUTHORS:
1- *Muhammad Younas, PhD Scholar, Qur'an & Tafsir, Allama Iqbal Open University, Islamabad, Email:hafizmyounas1989@gmail.com Orcid ID:https://orcid.org/0000-0002-0999-6428*
2- *Dr. Hafiz Ghulam Yousuf, Chairman, Department of Sharia, Allama Iqbal Open University, Islamabad, Email: drghulamyousuf2011@gmail.com*

How to Cite: *Younas, Muhammad, and Hafiz Ghulam Yousuf. 2021. "URDU 8 THE QURANIC TEACHINGS REGARDING INTERSTATE RELATIONS:* بین الممالک تعلقات سے متعلق قرآن حکیم کی تعلیمات*". Habibia Islamicus (The International Journal of Arabic and Islamic Research) 5 (3):101-20. https://doi.org/10.47720/hi.2021.0503u08.*
URL: http://habibiaislamicus.com/index.php/hirj/article/view/104
Vol. 5, No.3 || July –September 2021 || P. 101-120
Published online: 2021-09-29

QR. Code

THE QURANIC TEACHINGS REGARDING INTERSTATE RELATIONS

بین الممالک تعلقات سے متعلق قرآن حکیم کی تعلیمات

Muhammad Younus　　*Hafiz Ghulam Yusuf,*

ABSTRACT:
The focus of this research is to present the Quranic teachings about Interstate relations in the light of the opinions given by the Quranic commentators. The objective is to draw conclusive guidelines to resolve the contemporary issues the world faces. According to Qur'an, the foundation of Interstate relations is the unity of mankind, religious tolerance, justice, and cooperation based on equality. If these Quranic guidelines are adopted to resolve international issues the world could become a cradle of peace. The reason is that this leads to a state of peace in the world through cooperation based on respect and tolerance. The policy adopted in the light of these teachings could lead to world peace and help countries, religions, and civilizations resolve their differences peacefully. The research concludes on the argument that the Quranic teachings adopted for the resolution of the international issues could prove a panacea for the world at loggerheads now.
KEYWORDS: *Interstate, Quranic commentators, contemporary, religious tolerance, equality, cradle of peace.*

بین الممالک یا بین الاقوامی تعلقات سے مراد کسی ریاست کے دیگر ممالک اور اقوام کے ساتھ تعلقات کی نوعیت اور وسعت ہے۔ عصر حاضر میں دیگر ممالک کے ساتھ تعلقات کی عموماً دو نوعیتیں ہوتی ہیں۔ ایک کسی ملک کے کسی دوسرے ملک کے ساتھ خصوصی روابط اور معاہدے یہ عموماً ایک خطے میں واقع ممالک یا ایک سوچ و فکر رکھنے والے ممالک کے درمیان ہوتے ہیں۔ دوسرے تعلقات عمومی نوعیت کے ہوتے ہیں جو اقوامِ متحدہ کے ذریعے سے دنیا کے تمام ممالک کے درمیان وجود میں آتے ہیں۔ ممالک اور اقوام کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں قرآن کریم کی تعلیمات اصولی نوعیت کی ہیں جو دونوں قسم کے تعلقات پر محیط ہیں۔ قرآن حکیم کا نزول عرب میں ہوا۔ جن کو قرآن حکیم نے اپنی دعوت کا اولین مخاطب بنایا۔ لھذا ان قبائل و اقوام میں دعوت قبول نہ کرنے والوں سے تعلقات کے ضمن میں دیگر اقوام سے تعلقات کے بنیادی اصول بھی بیان کر دیے گئے ہیں۔

غیر مسلم اقوام وافراد سے تعلقات کی نوعیت: جہاں تک غیر مسلم اقوام سے تعلقات کی نوعیت کا تعلق ہے، تو تمام غیر مسلم اقوام کو ایک ہی صف میں شمار نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ مسلمانوں کے ساتھ ان کے تعلقات کے حوالے سے انہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور ہر گروہ کے احکام جدا ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔" **لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْاۚ وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ**"[1] "تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے اور ایمان لانے والوں کے لئے دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں۔ اور ان میں غرور نفس نہیں ہے۔"

ڈاکٹر اسرار احمدؒ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔"یہ تاریخی حقیقت ہے اور سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جس طرح کی شدید دشمنی اس وقت یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی، ویسے نصاریٰ نے نہیں کی۔ حضرت نجاشی (شاہ حبشہ) نے اُس وقت کے مسلمان مہاجروں کو پناہ دی۔ مقوقس (شاہ مصر) نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیے بھیجے۔ ہرقل نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کا احترام کیا۔ وہ چاہتا بھی تھا کہ اگر میری قوم مان لے تو ہم اسلام قبول کر لیں۔ وہ لوگ اگرچہ مسلمان نہیں ہوئے مگر ان کا رویہ انتہائی محتاط رہا۔"[2] لیکن نصاریٰ کا مسلمانوں کے ساتھ یہ سلوک برقرار نہ رہا۔ بعد ازاں انہوں نے بھی یہودیوں اور مشرکین وغیرہ کی طرح مسلمانوں کے خلاف جنگیں لڑیں اور ان پر مظالم ڈھائے۔ چنانچہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرماتے ہیں۔"بعد میں صلیبی جنگوں کے دوران عیسائیوں نے مسلمانوں کے خلاف جو وحشت و بربریت دکھائی اور ان کے مذہبی پیشواؤں نے جس طرح مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی۔ یہ ایسے حقائق ہیں جو تاریخ کے چہرے پر بہت ہی بدنما داغ کی حیثیت رکھتے ہیں۔"[3] اس سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے دیگر اقوام اور ممالک کے ساتھ تعلقات کی بنیاد کسی ملک و قوم کا عقیدہ اور نظریہ نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد ان کا مسلمانوں کے ساتھ تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم تمام کفار کو اس معاملے میں یکساں قرار نہیں دیتا۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں۔"جہاں تک غیر مسلموں کے مختلف گروہوں سے تعلقات کا سوال ہے تو وہ الگ الگ نوعیت کے ہوں گے۔ اسلامی نظریئے سے ان کے نظریئے کے قرب اور بعد اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے رویے اور طرزِ عمل کی بنیاد پر ان سے روابط تشکیل دیئے جائیں گے۔ اس اعتبار سے نہ کفر ایک کیٹیگری ہے اور نہ اہل کفر ایک قوم ہیں۔ خود قرآن پاک میں ان کا الگ الگ ذکر موجود ہے۔ اہل کتاب، صائبین، مجوسی، مشرکین اور منافقین کا قرآن میں الگ الگ ذکر آیا ہے۔ اور ان کے الگ الگ احکام بیان کئے گئے ہیں۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ خود قرآن پاک نے سارے غیر مسلموں کو ایک زمرے میں شمار نہیں کیا۔ بلکہ ان کے الگ الگ زمرے اور قسمیں قرار دی ہیں۔"[4] خود قرآن پاک نے سارے غیر مسلموں کو ایک ہی زمرے میں شامل قرار نہیں دیا، بلکہ قرآن مجید میں مختلف غیر مسلموں کے لیے مختلف احکام دیئے گئے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ سارے غیر مسلم ایک زمرے میں نہیں آتے۔ مثلاً قرآن حکیم نے عیسائیوں کو مسلمانوں کے زیادہ قریب قرار دیا اور مشرکین کو سب سے بعید قرار دیا۔ پھر عرب کے مشرکین کو عام مشرکین کے مقابلے میں اسلام نے زیادہ دور قرار دیا اور ان کے بارے میں کسی رعایت سے کام نہیں لیا۔[5] رومی اگرچہ صحیح نصرانیت کے پیروکار نہیں تھے، ان کے عقائد و اعمال میں کئی طرح کی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں، لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کو مجوسیوں کے مقابلے میں ان سے ہمدردی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے بھی مجوسیوں کے مقابلے نصرانیوں سے ان کی ہمدردی کی تحسین فرمائی۔ اسلام نے دیگر غیر مسلم اقوام کے ساتھ اسی اصول پر اپنے بین الاقوامی قانون اور معاملات کی بنیاد رکھی ہے۔ یعنی جو قوم اپنے فکر و فلسفہ اور عقائد و نظریات میں جس قدر مسلمانوں کے قریب ہو گی بین الاقوامی معاملات میں مسلمانوں کی ہمدردیاں دوسروں کے مقابلے میں ان کے ساتھ اتنی ہی زیادہ ہوں گی۔

قرآن کریم میں جہاں کفار کے ساتھ دوستی اور تعلقات سے منع کیا گیا ہے وہاں من دون المؤمنین کی قید لگائی گئی ہے۔یعنی مسلمانوں کو چھوڑ کر ان کے مقابلے میں کفار کے ساتھ تعلقات قائم نہ کئے جائیں۔جیسا کہ ارشاد ہے۔" لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ"[6] "اہل ایمان نہ بنائیں کافروں کو اپنے دوست اہل ایمان کو چھوڑ کر "ولی کے معنی حمایتی کارساز، مدد گار، ساتھی اور دوست کے ہیں جس کی طرف ضرورت اور مجبوری کی حالت میں رجوع کیا جائے۔[7] لہٰذا ایسے تعلقات جس میں خود مسلمانوں کا مفاد وابستہ ہو۔اس قسم کی دوستی اور تعلق کی ممانعت نہیں ہے۔[8] البتہ ایسے تعلق اور دوستی جو کسی انسان یا کسی قوم کے دینی معاملات یا اس کے قومی تشخص کے لئے مضر ہو، اس کی ممانعت ہے۔ چنانچہ غیر مسلم اقوام کے ساتھ دوستی اور تعلق کی حدود واضح کرتے ہوئے مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں۔ "کفار کے ساتھ حسنِ سلوک، ہمدردی، خیر خواہی، اُن پر احسان، حسن اخلاق سے پیش آنا یا تجارتی اور اقتصادی معاملات اُن سے کرنا دوستی کے مفہوم میں داخل نہیں۔ یہ سب امور کفار کے ساتھ بھی جائز ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا کھلا ہوا تعامل اس پر شاہد ہے۔البتہ ان چیزوں میں اس کی رعایت ضروری ہے کہ ان کے ساتھ ایسے معاملات رکھنا اپنے دین کے لئے مضر نہ ہو۔اپنے ایمان اور عمل میں سستی پیدا نہ کرے اور دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی مضر نہ ہو۔"[9] غیر مسلم اقوام کے ساتھ تعلقات کی ممانعت اور ترک معمولات کا سبب محض ان کا کفر نہیں ہے بلکہ اس کا اصل سبب ان کا اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ عداوت کا رویہ اور مسلمانوں پر ان کا ظلم وستم ہے۔ اگر ان کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ عداوت پر مبنی نہ ہو تو ان کے ساتھ تعلقات قائم کرنے اور ان کے ساتھ بر و احسان سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ چنانچہ مولنا مودودی فرماتے ہیں۔ "کفار سے جس ترک تعلق کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس کے متعلق لوگوں کو یہ غلط فہمی لاحق ہو سکتی تھی کہ یہ اُن کے کافر ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس لئے ان آیات میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ اس کی اصل وجہ ان کا کفر نہیں بلکہ اسلام اور اہلِ اسلام کے ساتھ ان کی عداوت اور ان کی ظالمانہ روش ہے۔لہٰذا مسلمانوں کو دشمن کافر اور غیر دشمن کافر میں فرق کرنا چاہیے اور ان کافروں کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ جنہوں نے کبھی اُن کے ساتھ کوئی برائی نہ کی ہو۔"[10] عصر حاضر میں دیگر معاملات کی طرح اسلام کے بین الاقوامی قانون اور بین الممالک تعلقات کے سلسلے میں بھی نئی جہتیں پیدا ہو گئی ہیں، لہٰذا اب بین الممالک تعلقات اور مخاصمتوں کی بنیاد مذہب نہیں رہا، بلکہ علاقائی اور جغرافیائی مفادات نے لے لی ہے۔

احترام مذاہب: ماضی اور عصر حاضر میں عالمی امن جس خطرے سے دوچار رہا ہے۔ اس کا ایک سبب مختلف مذاہب کی عبادت گاہوں اور مقدس ہستیوں کی اہانت اور عدم احترام کا رویہ ہے۔ جدید اور تیز رفتار ذرائع ابلاغ نے اس مسئلے کی حساسیت کو اور بھی بڑھا دیا ہے۔ قرآن حکیم نے اس قسم کی اشتعال اور شر انگیزی کا نہایت مؤثر اور معقول پیرائے میں تدارک کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔"وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ"[11] "جو لوگ خدا کے سوا دوسری ہستیوں کو پکارتے ہیں، تم ان کے معبودوں کو گالیاں نہ دو کہ پھر وہ بھی حد سے متجاوز ہو کر بے سمجھے بوجھے خدا کو برا بھلا کہنے لگیں۔" جس طرح اہل اسلام کے قلوب میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت موجزن ہے، اسی طرح کفار کے دلوں میں بھی اپنے معبودان کی محبت اور عظمت موجود ہے۔لہٰذا ایسا اشتعال انگیز رویہ اختیار

نہ کیا جائے کہ وہ جواباً غصے میں آکر اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینے لگ جائیں، بلکہ مناسب الفاظ میں انہیں سمجھا جائے۔[12] اس طرح کی اشتعال انگیزی کا نقصان یہ ہوتا ہے۔ کہ اصل بات اور دلیل گم ہو جاتی ہے اور مقابلہ سب وشتم جاری ہو جاتا ہے۔[13] حالانکہ معبودان باطل کی اس طرح کی ممانعت "نہ تو فرض واجب ہے اور نہ ہی ناجائز، بلکہ مباح ہے۔ اور اگر مباح چیز کو اختیار کرنے میں بڑی قباحت پیدا ہونے کا احتمال ہو تو مباح کا ترک کر دینا بھی رواہے۔ مطلب یہ کہ اگر معبودانِ باطل کو بُرا بھلا کہنے سے خدا تعالیٰ یا انبیاء کی گستاخی کا جواز پیدا ہو تو پھر اس مباح کو ترک کر دینا چاہیے۔"[14] مقدس ہستیوں کے ساتھ قرآن حکیم میں تمام مذاہب کے مقدس مقامات اور عبادت گاہوں کے احترام کا حکم دیا گیا ہے اور انہیں نقصان پہنچانے اور گرانے کا اجازت نہیں ہے۔[15] بعض اوقات کسی فرد یا گروہ کی جانب سے دانستہ اشتعال انگیزی پیدا کرنے کی غرض سے توہین مذھب کی جاتی ہے، اسی طرح مذھبی مقدسات کی توہین کے بعض اوقات سیاسی اور اقتصادی مقاصد بھی ہوتے ہیں۔ یہ مقاصد کثیر الجہتی ہوتے ہیں یعنی کسی معاشی منفعت کا حصول یا کسی قوم کی معیشت کی تباہی کا دانستہ اراہ۔ چنانچہ مفسرین نے سورۃ الفیل میں ابرہہ کے خانہ کعبہ پر حملے کے واقعہ کی تفسیر میں لفظ "کید" پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "کید" سے مراد کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے خفیہ طور پر تدبیر کرنا ہے۔ حالانکہ ابرہہ کا حملہ کوئی خفیہ تدبیر نہیں تھا۔ البتہ اس میں جو بات مخفی رکھی گئی تھی وہ قریش کی تجارت اور ان کی تجارتی شاہراہ پر قبضہ کرنا تھا۔ چنانچہ اس غرض کو انہوں نے مخفی رکھا تھا اور ظاہر یہ کر رکھا تھا کہ ان کے یمن میں واقع کلیسا کی عربوں نے جو بے حرمتی کی ہے وہ اس کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔[16] قرآن حکیم میں احترامِ مذاہب کا یہ ایک ایسا اصول بیان ہوا ہے جس کی اصابت سے کوئی ذی عقل انکار نہیں کر سکتا اور جس پر عمل کر کے عالم کو فساد، بدامنی اور جنگ وقتال سے بچایا جا سکتا ہے۔

اقوام عالم کے ساتھ منصفانہ برتاؤ: ممالک اور اقوام کے درمیان جنگوں، بدامنی اور فساد کا ایک سبب طاقتور اقوام اور ممالک کا کمزور اقوام کے ساتھ ظالمانہ اور استحصالی رویہ بھی ہے قرآن حکیم ہر قسم کے ظلم وناانصافی سے روکتا ہے اور دشمنوں کے ساتھ بھی عدل وانصاف کرنے پر زور دیتا ہے۔ ارشاد ہے، "وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ"[17] "کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پہ آمادہ نہ کرے کہ تم عدل سے منحرف ہو جاؤ" انصاف سے کام لو! یہی قریب تر ہے تقویٰ کے۔" اسی طرح دشمن کی طرف سے ناانصافی اور زیادتی کے باوجود اس سے زیادتی اور ناانصافی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔[18] ان ھدایات کا تعلق قریش مکہ کے مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے اور عمرے کی اجازت دینے سے انکار سے تھا۔ قرآن کریم میں ایسے کسی اقدام کو ظلم وناانصافی قرار دیا گیا ہے۔[19] ان کے اس عمل کے باوجود ان کے ساتھ ناانصافی سے منع کیا گیا ہے۔ اور حکم دیا ہے کہ "وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ"[20] مفتی محمد شفیع اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ "یعنی جس قوم نے تم کو واقعہ حدیبیہ کے وقت مکہ میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روک دیا تھا۔ اور تم سخت غم وغصہ کے ساتھ ناکام واپس آرہے تھے۔ اب جبکہ تم کو قوت اور قدرت حاصل ہے تو ایسا نہ ہونا چاہیے کہ پچھلے واقعہ کے غم و غصہ اور بغض کا انتقام اس طرح لیا جائے کہ تم ان کو بیت اللہ اور مسجد حرام میں داخل ہونے اور حج کرنے سے روکنے لگو۔ کیونکہ یہ ظلم ہے۔ اور اسلام ظلم کا انتقام ظلم

قوت و اقتدار کے وقت مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے ظلماً روک دیا تھا۔ تو اس کا جواب یہ نہ ہونا چاہیے کہ اب مسلمان اپنے اقتدار کے وقت ان کو ان افعال حج سے روک دیں۔"[21] چونکہ عدل و انصاف کا تصور قرآن حکیم کا ایک اساسی اصول ہے لہٰذا قرآن حکیم عدل و انصاف کے حوالے سے اسلامی تعلیمات پر عمل درآمد مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری قرار دیتا ہے اور اس کو تمام خارجہ تعلقات میں جاری کرنا چاہتا ہے اور اس میں دوست دشمن کی تمیز قائم نہیں کرتا، لیکن اس قوم سے عدل و انصاف کا معاملہ کرنا جس نے ماضی میں ظلم وتعدی سے کام لیا ہو، آسان کام نہیں ہوتا، لہٰذا قرآن حکیم انہی اقوام سے عدل و انصاف کی تلقین کرتا ہے۔

بین الاقوامی معاہدات کا احترام: مختلف ممالک اور اقوام کے درمیان مختلف نوعیتوں کے معاہدے ہوتے ہیں۔ یہ معاہدات باہمی تعاون سے متعلق بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف عدم جارحیت اور دوسروں کے معاملات میں عدم مداخلت وغیرہ سے بھی متعلق ہوتے ہیں۔ اسی طرح اقتصادی، تجارتی اور دفاعی نوعیت کے معاہدات مختلف اقوام اور ممالک کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہر طرح کے معاہدات چاہے ان کا تعلق دو افراد کے درمیان ہو یا دو جماعتوں اور دو حکومتوں کے درمیان ہوں، اسی طرح ان معاہدات کا تعلق چاہے کسی بھی شعبہ اور طبقہ سے ہو۔ اس کا احترام اور پاسداری کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔"**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ**"[22] اس آیت میں کسی خاص قسم کے عقود کے ایفاء کی تلقین نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ یہ ایک عمومی حکم ہے۔ لہٰذا مفسرین نے ہر قسم کے معاہدات کی پاسداری اور انکا احترام مراد لیا ہے۔ چاہے ان کا تعلق کسی بھی قسم سے ہو۔ بعض مفسرین نے معاہدات کی تین اقسام بیان کی ہیں۔ ایک انسان کا اللہ سے اس پر ایمان لانے اور اسکی بندگی کرنے کا معاہدہ ہے اور دوسرا انسان کا خود اپنی ذات سے کسی قسم کا معاہدہ کر لینا یا کوئی چیز اپنے ذمہ لے لینا ہے۔ اور معاہدے کی تیسری قسم وہ ہے جس کا تعلق انسانوں کے باہمی معاملات سے ہے۔ اور اس تیسری قسم میں وہ تمام معاہدات شامل ہیں جو دو شخصوں یا دو جماعتون یا دو حکومتوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ جس کی ہر فریق پر پابندی لازم ہے۔[23] باہمی تعلقات میں اعتماد سازی اور معاملات کا خوش اسلوبی سے سرانجام پانا احترامِ معاہدہ کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ چنانچہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرماتے ہیں۔

"گویا تمام معاشرتی، معاشی اور سیاسی معاملات قرآن حکیم کے ایک حکم پر عمل کرنے سے درست سمت پر چل سکتے ہیں اور وہ حکم ہے **أوفوابالعقود**۔"[24] قرآن کریم میں ہر اس قوم اور ملک سے اشتراک عمل اور معاہدہ کی اجازت ہے جو مسلمانوں کے خلاف خود بھی جنگ نہ کرے اور نہ ان دیگر اقوام کی مدد کرے جو مسلمانون سے برسرپیکار ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ**[25] معاہد قوم کے ساتھ مدت مقررہ تک معاہدہ کی تکمیل کے حکم کے ساتھ ان اللہ یحب المتقین۔ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے جب تک ان کے ساتھ معاہدے کی مدت باقی ہے، کسی حیلے اور بہانے سے بھی عہد شکنی سے باز رہیں۔ تقویٰ کا تعلق انسان کے دل کے ساتھ ہے جیسا کہ حدیث میں ارشاد مبارک ہے "**التقوي ههنا وأشار الى صدره ثلاث مرات**۔[26] اس آیت میں کس قسم کا تقویٰ مراد ہے۔

اور اجتماعی زندگی میں اس کی کیا اہمیت ہے مولنا اصلاحی اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "ان اللہ یُحب المتقین۔ میں جس تقویٰ کا ذکر ہے یہ انفرادی تقویٰ نہیں، بلکہ اجتماعی و سیاسی تقویٰ ہے۔ اسلام جس طرح ہر شخص سے انفرادی تقویٰ کا مطالبہ بھی کرتا ہے اسی طرح مسلمانوں سے من حیث الجماعت اجتماعی اور سیاسی تقویٰ کا مطالبہ بھی کرتا ہے یعنی مسلمان دوسری قوموں سے جو معاملات اور معاہدات کریں ان میں راست باز، صداقت شعار اور وفادار رہیں۔ کسی عہد اور قول و اقرار کی کوئی ادنیٰ خلاف ورزی بھی نہ کریں۔"[27] عہد و میثاق میں سب سے زیادہ اہمیت ان معاہدات کی ہوتی ہے جو دو جماعتوں قوموں یا ملکوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ انفرادی معاہدات کی تکمیل اور ان کی عہد شکنی کے بھی بلاشبہ اثرات ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے اثرات شخصی اور محدود ہوتے ہیں۔ لیکن بین الجماعتی، بین الاقوامی اور بین الممالک معاہدات کے اثرات یا اس کی عہد شکنی کے نقصانات کثیر الجہتی اور دیرپا ہوتے ہیں۔ قران کریم ہر قسم کے ایفاء عہد کی تلقین کرتا ہے۔ اگر دشمن کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی ہو تو مسلمانوں کو بھی اس کی اجازت ہے کہ وہ اس معاہدہ کو ختم کر دیں۔[28] البتہ اس کے لئے ضروری ہے کہ معاہدہ ختم کرنے کے فیصلے سے مخالف قوم کو باضابطہ آگاہ کر دیا جائے۔ البتہ اگر معاہدہ کی خلاف ورزی فریق ثانی کی طرف سے ہو تو پھر ایسے اعلان کی ضرورت نہیں بلکہ فریق مخالف کی بدعہدی کو ہی اعلان جنگ سمجھا جائیگا۔ جیسا کہ حدیبیہ کے سلسلے میں ہوا۔[29] معاہدہ سے متعلق نزاع کے بعد اگر مصالحت کی کوئی صورت پیدا نہ ہو یا فریق مخالفت معاملے کو بزور طاقت طے کرنے پر بضد ہو تو اس کا جواب طاقت سے دینے کی اجازت ہے۔ لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ باضابطہ اس کا اعلان کر دیا جائے۔ "چوری چھپے ایسی جنگی کاروائیاں کرنا جن کا علانیہ اقرار کرنے کے لیے ہم تیار نہ ہوں، ایک بد اخلاقی ہے جس کی تعلیم اسلام نے ہم کو نہیں دی ہے۔"[30] حریف ممالک اور اقوام کے ساتھ اختلاف یا اتحاد اور رواداری کی پالیسی اور حکمت اختیار کرنا امت کے سربراہ اور اسکے اہل حل و عقد کا کام ہے۔ عوام الناس یا اس کے کسی گروہ کا یہ کام نہیں ہے۔ اگر ارباب حل و عقد کسی حریف طاقت سے برسرپیکار ہوں اور عوام کے اندر کچھ لوگ اس حریف طاقت کے ساتھ اتحاد و رواداری کے تعلقات بڑھائیں اور اس کو امت کی خیر خواہی کا نام دیں تو یہ صریح بدخواہی ہے۔[31] اسی طرح اگر ارباب حل و عقد کی حریف طاقت کے ساتھ مفاہمت اور عدم جنگ کا معاہدہ کر لیں تو چند افراد یا کسی گروہ کو اس کی اجازت نہیں ہے۔ کہ وہ اس معاہدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے اور اس کے خلاف کوئی پالیسی اختیار کرے۔

غیر جانبداری کا احترام: مختلف اقوام اور ممالک کے درمیان تنازع اور جنگ کے دوران کچھ قومیں ان دونوں فریقوں میں سے کسی کا بھی ساتھ نہیں دینا چاہتیں اور ان تنازعات سے خود کو دور رکھنا چاہتی ہیں۔ تو قرآن حکیم ان اقوام و قبائل کی اس رائے کے احترام کرنے کا حکم دیتا ہے اور ان کے ساتھ دشمنوں جیسا سلوک کرنے سے منع کرتا ہے۔ جیسا کہ عہد رسالت میں کئی قبائل مسلمانوں اور کفار کے درمیان جنگ میں غیر جانبدار رہنا چاہتے تھے تو قرآن کریم نے ان کی اس رائے کا احترام کیا۔ چنانچہ وہ مسلمان جن کا تعلق ایسے قبائل سے تھا جن کے ساتھ مسلمانوں کا عدم جنگ و صلح کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ یا جن کا معاہدہ تو نہیں ہوا لیکن ان غیر مسلم قبائل سے تعلق رکھنے والے مسلمان فی الحال اپنی غیر جانبداری قائم رکھنا چاہتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر اپنی قوم سے بھی لڑنا نہیں چاہتے تھے اور اپنی قوم سے مل کر

مسلمانوں کے خلاف بھی جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ فرمایا کہ اگر یہ تم سے کوئی تعرض نہ کریں اور اپنی غیر جانبداری قائم رکھیں تو تم بھی ان کے ساتھ کوئی جارحانہ اقدام مت کرو، البتہ یہ ضروری ہے کہ ان کی غیر جانبداری حقیقی ہو۔[32] چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔ "إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا"[33] "مگر ہاں جو لوگ دشمنوں سے الگ ہو کر کسی ایسی قوم سے جا ملیں کہ تم میں اور اس میں عہد وپیمان ہو چکا ہے یا ایسے لوگ ہوں کہ لڑائی سے دل برداشتہ ہو کر تمہارے پاس چلے آئیں۔ نہ تم سے لڑیں اور نہ تمہاری طرف سے اپنی قوم کے ساتھ لڑیں تو ایسے لوگ اس حکم میں داخل نہیں۔ ان کے خلاف تمہارا ہاتھ نہ اٹھے۔ اگر خدا چاہتا تو ان لوگوں کو بھی تم پر مسلط کر دیتا کہ تم سے لڑے بغیر نہ رہتے۔ پس اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو گئے اور جنگ نہیں کرتے۔ نیز صلح کا پیغام بھیج رہے ہیں تو پھر خدا نے تمہارے لئے کوئی راہ نہیں رکھی کہ ایسے لوگوں کے خلاف جنگ کرو۔"

یہ دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو کسی ایسی قوم اور قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ صلح ہے۔ ایسے لوگوں کی جان بخشی محض معاہدے کے احترام میں کی گئی۔ اس لیے کہ معاہدے کے قیام تک ان کے کسی فرد کو جو اپنی کمزوری اور پست ہمتی کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہوں اور نہ مسلمانوں میں شامل ہو کر اپنی قوم سے جنگ کے لیے آمادہ ہوں ان کو مہلت دیے جانے کی یہ مصلحت واضح فرمائی کہ ایسے کمزور لوگوں کی طرف سے یہ غیر جانبداری کا رویہ بھی غنیمت ہے۔ آخر یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ یہ کھلم کھلا دشمن بن کر تم سے جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے تو جب تک یہ تم سے تعرض کرنے سے کنارہ کش رہیں، تم سے جنگ نہ کریں، تمہارے ساتھ صلح جویانہ روش رکھیں تم بھی ان کے خلاف کوئی اقدام نہ کرو۔[34] جو اقوام تنازعات اور جنگوں میں غیر جانبدار رہنا چاہتے ہیں، ان کی غیر جانبداری کا احترام کیا جائیگا اور ان کے ساتھ تعلقات معمول کے مطابق قائم رہیں گے۔[35] لہٰذا جو بھی "غیر مسلم حکومتیں غیر جانبدار رہنا چاہیں اور مسلمانوں کو نہ خود چھیڑیں اور نہ مسلمانوں کے خلاف حمایت کریں۔ خواہ وہ حکومت اہل کتاب کی ہو یا مشرکین کی اسلام ان سے لڑنے کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ اس کے برعکس اس سے بہتر سلوک کی تائید کرتا ہے۔"[36] ایسی غیر جانبدار رہنے والی اقوام اور قبائل یا عصر حاضر کے بین الاقوامی قانون کے مطابق غیر جانبدار ممالک کے ساتھ اگر بہتر تعلقات اور حسن سلوک پر مبنی رویہ اختیار کیا گیا تو اس کا ایک فائدہ یہ ہو گا۔ "گویا دارالحرب بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک غیر جانبدار علاقہ جو فی الحقیقت دارالحرب نہیں ہے اور امن پسند ممالک غیر جانبدار ہی رہتے ہیں۔ لہٰذا دارالحرب آدھے سے بھی کم رہ گیا۔ باقی حربی علاقہ میں ایسے ممالک بھی ہو سکتے ہیں جن سے صلح کے معاملات طے پائے ہوں اور ان کی مدت صلح عموماً دس سال ہوتی ہے۔ جب تک ایسے ممالک بد عہدی نہ کریں۔ ان سے جنگ کی قطعاً اجازت نہیں۔"[37] ان غیر جانبدار قوموں کی رائے کے احترام کا فائدہ یہ بھی ہے کہ تنازعات میں یہ قومیں فریقین کے مابین ثالثی کا کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اور متحارب گروہوں کو ایک جگہ جمع کر سکتی ہیں۔ البتہ جو اقوام غیر جانبداری کے معاملے میں منافقانہ رویہ اختیار کرتی ہیں اور ان کی غیر جانبداری محض نمائشی ہوتی ہے ان کے بارے میں فرمایا ہے۔ "سَتَجِدُونَ آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَن

يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلَّ مَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا فَإِن لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا"[38] "اور دوسرے کچھ ایسے لوگوں کو بھی تم پاؤ گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی محفوظ رہیں اور اپنی قوم سے بھی محفوظ رہیں لیکن جب جب فتنے کی طرف موڑے جاتے ہیں اس میں گر پڑتے ہیں۔ پس یہ اگر تم سے کنارہ کش نہ رہیں، تم سے صلح جویانہ رویہ نہ رکھیں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تم ان کو گرفتار کرو اور قتل کرو جہاں کہیں پاؤ۔ یہ لوگ ہیں جن کے خلاف ہم نے تم کو کھلا اختیار دیا ہے۔" لہذا جو قوم غیر جانبداری کی آڑ میں دھوکہ دینا چاہتی ہے اور اس سے اس کا مقصد محض اپنے مفادات کا تحفظ ہے تو ایسی قوم کسی رعایت کی مستحق نہیں۔ چنانچہ مولنا اصلاحی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ "اس آیت میں ان جھوٹے غیر جانبداروں کی طرف اشارہ ہے جو اسلام کا دعوی کر کے مسلمانوں کے خطرے سے بھی اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے اور اپنی قوم کے اندر شامل رہ کر ان سے بھی مامون رہنا چاہتے تھے۔ یہ لوگ بظاہر تو غیر جانبداری کے مدعی تھے لیکن یہ غیر جانبداری محض نمائشی تھی۔ جب ان پر ان کی قوم کا دباؤ پڑ جاتا تو یہ ان کی شرارتوں میں شریک ہو جاتے جو وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کرنا چاہتی۔ ان لوگوں کی بابت فرمایا کہ یہ لوگ اس رعایت کے مستحق نہیں ہیں جو مذکورہ بالا جماعت کے لیے بیان ہوئی ہے۔ بلکہ یہ بھی کھلے ہوئے دشمنوں ہی کے صف میں داخل ہیں۔ اگر یہ تمہاری مخالفت نہ چھوڑیں، تمہارے ساتھ صلح جویانہ رویہ نہ اختیار کریں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو تم جہاں کہیں پاؤان کو گرفتار اور قتل کرو، ان کو گرفتار کرنے اور ان کے قتل کرنے کا خدا نے تم کو کھلا ہوا اختیار بخشا۔"[39]

باہمی تعاون و تناصر کا اصول: دنیا میں کوئی فرد، قوم اور ملک دوسرے افراد اور اقوام و ممالک کے تعاون و تناصر کے بغیر اپنی انفرادی اور اجتماعی ضروریات کا حصول ممکن نہیں بناسکتے۔ جس طرح ہر انسان دوسرے انسان کے تعاون اور اس کی مدد کا محتاج ہے، اسی طرح اقوام اور ممالک بھی دوسرے اقوام اور ممالک کے تعاون اور مدد کے محتاج ہوتے ہیں۔ دنیا کے گلوبل ویلج بن جانے سے جہاں ممالک کے درمیان فاصلے کم ہوگئے ہیں۔ وہاں ان کا باہمی ربط و تعاون اور ایک دوسرے پر انحصار بھی بڑھ گیا ہے۔ لیکن ایک طرف اس باہمی تعاون نے ان بنیادی ضروریات کی تکمیل میں مدد دی ہے۔ تو وہاں اس تعاون باہمی کے ضرر سے بھی دنیا محفوظ نہیں رہی ہے۔ جس کی وجہ سے عالم کا امن اکثر خطرے دوچار رہا ہے۔ قران حکیم نے باہمی تعاون و تناصر اور عدم تعاون و تناصر کا جو اصول بیان کیا ہے۔ اگر اقوام عالم اس کی روشنی میں اپنی پالیسیاں وضع کریں تو دنیا امن کا گہوارا بن جائے۔ چنانچہ اس تعاون باہمی سے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے۔ "وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"[40] اس آیت مبارکہ میں باہمی تعاون و تناصر کی بنیاد نیکی اور تقویٰ کو قرار دیا گیا ہے۔ اور اس میں ایک عمومی خطاب سے اس کا حکم دیا گیا ہے کہ جو بھی نیکی اور بھلائی کے کام کر رہا ہے۔ اس میں اس کی مدد کرو۔[41] اس آیت میں دو کاموں میں عدم تعاون کی تلقین کی گئی ہے ایک اثم اور دوسرا عدوان۔ لفظ اثم ان گناہوں کے لئے آتا ہے جن میں حق تلفی کا پہلو نمایاں ہو اور عدوان ان گناہوں کو کہتے ہیں جن میں سرکشی، تعدی، اور طغیان کا پہلو نمایاں ہوں۔ جب یہ دونوں الفاظ ایک ساتھ استعمال ہوتے ہیں تو ان میں گناہ کی ساری اقسام شامل ہو جاتی ہیں۔[42] جن میں ظلم، تعدی اور طغیان وغیرہ سبھی شامل ہیں۔ اس آیت

کے عموم میں ہر طرح کا باہمی تعاون و تناصر شامل ہے۔ اور اس میں انسانی زندگی کی بنیادی ضروریات کی فراہمی میں کارفرما عوامل اور ان کا باہمی ربط و تعلق بھی اس کا حصہ ہے۔ چنانچہ مفسرین نے اس آیت سے مختلف پیشوں اور ان سے منسلک افراد کے باہمی تعاون سے اشیاء و ضروریات زندگی کی فراہمی کے سلسلے میں کیا جانے والا تعاون بھی مراد لیا ہے۔ لیکن آیت کا سیاق و سباق اور اس کے شانِ نزول سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا تعلق دشمن قوم کے ساتھ تعلقات اور ان کی ظلم و زیادتی کے جواب کے ساتھ ہے۔ [43] مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حلف الفضول میں شرکت کو تعاون علی البر والتقویٰ کی مثال قرار دیا ہے۔ کہ نیکی اور پرہیز گاری کا کام جو شخص یا جماعت بھی کرے۔ اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ [44] اسی طرح صوفی عبدالحمید سواتیؒ آیت مبارکہ (وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا) [45] کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "دنیا کا عام مشاہدہ یہ ہے کہ اکثر لوگ مظلوم کی بجائے ظالم کا ساتھ دیتے ہیں جس کی وجہ سے انسانی معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ یوں دنیا کی سیاست کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں۔ ظالم کی ہاں میں ہاں ملائی جارہی ہے۔ مگر مظلوم کا حال پوچھنے والا بھی کوئی نہیں۔" [46] دنیا میں فساد، بدامنی اور بین الاقوام تنازعات کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ باہمی تعاون کے سلسلے میں اصولوں کی بجائے تعلقات اور مفادات کے تابع فیصلے کئے جاتے ہیں۔ دنیا میں قیامِ امن کے لئے باہمی تعاون و تناصر کے اس قرآنی اصول پر عمل کی ضرورت اس دور میں پہلے سے بڑھ کر ہے۔

صلح: اسلام امن و سلامتی کا دین ہے اور جنگ و قتال کی اجازت اس وقت دیتا ہے جب اس کے پیروکاروں پر مخالفین کی طرف سے ظلم و ستم کی انتہا ہو جائے اور بجز اس کے کہ دشمن کوئی راہ باقی نہ چھوڑے۔ عام حالات میں قرآن حکیم نے ہمیشہ صلح کو جنگ پر ترجیح دی ہے۔ چنانچہ ناگزیر حالت سے زیادہ کبھی جنگ کا قیام جائز نہیں رکھا گیا۔ دشمن کی طرف سے مسلسل عہد شکنیوں اور ان کی طرف سے سخت مظالم کے باوجود کبھی صلح کا دروازہ بند نہیں کیا۔ [47] اگر دشمن کسی وقت صلح کی طرف اپنا جھکاؤ ظاہر کرے تو قرآن کریم کا حکم یہ ہے کہ صلح کی طرف ان کے اس جھکاؤ کا مثبت جواب دیا جائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔"وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ" [48] مولانا ابوالکلام آزاد اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ "یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ جنگ بدر کے فیصلے نے مسلمانوں کی فتح مندی آشکار کر دی تھی اور تمام جزیرہ عرب ان کی طاقت سے متاثر ہونے لگا تھا۔ تاہم جب کبھی دشمن صلح و امن کی طرف جھکے چاہیے کہ بلا تامل تم بھی جھک جاؤ۔ اگر اس کی نیت میں فتور ہو گا تو ہوا کرے۔ اس کی وجہ سے صلح و امن کے قیام میں ایک لمحہ کے لئے بھی دیر نہیں کرنی چاہیے۔" [49] اسلام ایک دعوتی دین اور امن و سلامتی کا داعی ہے، لہذا ہمیشہ جنگ کی حالت اس کے اس دعوتی عمل کے منافی ہے۔ دعوتِ دین کے لئے امن اور صلح کا ماحول درکار ہے۔ حصول مقصد کے لئے بعض اوقات جنگ ناگزیر ہوتی ہے اور بعض اوقات صلح بھی مفید ہوتی ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر ظاہراً کمزور شرائط پر صلح کو قبول کیا گیا۔ جس کا نتیجہ مکہ میں اشاعت اسلام کی صورت میں نکلا۔ [50]

قرآن کریم نے صلح کو ہی خیر قرار دیا ہے۔[51] اگرچہ اس صلح کا سیاق وسباق عائلی تنازعات ہیں۔ لیکن مفسرین کرام کے مطابق اس میں ہر قسم کے مقدمات اور خصومات شامل ہیں۔[52] یہاں تک کہ بین الاقوامی معاملات اور دو ملکوں کے تنازعات اور ان کے تصفیہ کے لئے بھی اس آیت سے رہنمائی ملتی ہے۔[53] اگر فریقین کو صلح کے لئے اپنے مؤقف میں لچک بھی پیدا کرنی پڑے تو صلح کو ترجیح دینی چاہیے۔[54] لیکن ایسی صلح جس میں کسی اصول اسلام کی ممانعت ہوتی ہے۔ یا کسی حرام کو حلال قرار دیا جارہا ہو تو اس کی ممانعت کی گئی ہے۔[55] قرآن کریم نے ہمیشہ صلح کو جنگ پر ترجیح دی ہے۔ چنانچہ ناگزیر حالت سے زیادہ کبھی جنگ کا قیام جائز نہیں رکھا گیا۔ دشمن کی طرف سے مسلسل عہد شکنوں اور ان کی طرف سے سخت مظالم کے باوجود کبھی صلح کا دروازہ بند نہیں کیا۔[56]

دعوت دین کا طریقہ کار: اسلام ایک دعوتی دین ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کل عالم اور قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے ھادی بنا کر بھیجا۔ اقوام عالم تک دین کی دعوت پہنچا امت مسلمہ کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ کسی اسلامی ملک کی خارجہ پالیسی اور بین الاقوامی تعلقات میں دعوت دین ایک بنیادی رکن کی حیثیت رکھتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف فرمانرواؤں کو دعوتِ اسلام کے خطوط ایک مسلم ریاست کی خارجہ پالیسی کے لئے رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دعوت دین ایسے طریقے سے دی جائے کہ اس سے بین الاقوامی تعلقات میں مزید استحکام آئے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں منکرین حق سے آداب گفتگو کے سلسلے میں فرمایا گیا ہے کہ ان سے بھلی بات کہو۔[57] قرآن کریم جہاں ایک طرف اہل حق کو صراط مستقیم پر چلنے اور اس پر استقامت کا حکم دیتا ہے اور منکرین کی دعوت کی ذمہ داری ان پر عائد کرتا ہے، وہاں ان کو اس بات کی بھی تلقین کرتا ہے، کہ منکرین سے بحث ومباحثہ اور گفتگو میں ایسے طریقے اور لہجے سے بچیں، جو فتنہ فساد، کا سبب بن سکتا ہے۔ کیونکہ اسی طرزِ گفتگو سے شیطان نزاع پیدا کرتا ہے۔ یعنی اس طرح کا طرزِ کلام فتنہ وفساد کا باعث بن جاتا ہے اور مقصود اصلی جو کہ دعوت وھدایت وارشاد ہے، مفقود ہو جاتا ہے۔ لہذا مسلمانوں کو کوئی ایسی بات نہیں کہنی چاہیے جو منکرین حق کے لئے باعث تکلیف ہو۔[58] حدیث شریف کے مطابق بعض مسلمانوں نے کچھ کفار کو "**انکم من اھل النار**"[59] یعنی تم تو دوزخی ہو کہا تھا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی، اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ کسی شخص کو متعین کر کے ایسا کوئی جملہ نہیں کہنا چاہیے کیونکہ اس کے انجام کو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ بات حق ہے اور یہ حق نہیں ہے۔ کہیں کسی خاص شخص یا گروہ سے متعلق ایسا حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ یہ جہنمی ہے۔[60] قرآن حکیم میں دعوت دین کے تین اصول بیان کئے گئے ہیں۔ اگر دعوت کے میدان میں ان اصولوں کو مد نظر رکھا جائے تو نہ صرف یہ کہ منکرین حق تک دعوت مؤثر طریقے سے پہنچے گی بلکہ نزاع کی نوبت بھی نہیں آئیگی۔ ارشاد ربانی ہے۔ ''اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ''[61] ''اے نبی، اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔ تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہ راست پر ہے۔" اس آیت مبارکہ میں حکمت سے مراد دلائل اور براہین ہیں۔ اور موعظہ حسنۃ سے مراد ہے مشفقانہ انداز میں تذکیر وتنبیہ۔

دین کی دعوت میں یہ دو چیزیں اصول کار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آدمی جو بات کہے دلیل اور برھان کی روشنی میں کہے اور اس کا انداز دھونس جمانے کا نہ ہو، بلکہ جذبہ خیر خواہی اور ہمدردی کا غماز ہو تا کہ مخاطب اس کی بات توجہ سے سنے۔ [62] "اس طریقہ حکمت کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ اگر مخاطب سے بحث کے لیے کوئی مشترک بنیاد مل سکتی ہو تو اسی پر گفتگو کو آگے بڑھایا جائے، خوامخواہ اپنی انفرادیت کی دھون جمانے کی کوشش نہ کیا جائے۔ چنانچہ قرآن نے یہاں یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے۔ اہل کتاب آسمانی صحیفوں کے حامل ہونے کے سبب سے توحید کی تعلیم سے اچھی طرح آشنا بھی تھے اور اس کے علمبردار ہونے کی مدعی بھی تھے۔ ان کے صحیفوں میں نہایت واضح الفاظ میں توحید کی تعلیم موجود تھی۔" [63] حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ دعوت دینے کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ مخالف فریق کتنا ہی سرکش، ظالم اور غلط خیالات اور عقائد کا حامل ہو۔ دعوت دیتے وقت اس کے ساتھ نرم لہجہ اور ہمدردانہ رویہ اختیار کریں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بات توجہ سے سنے اور قبول کرلے۔ چنانچہ فرعون جس کی سرکشی اور ظلم وجبر حد سے بڑھا ہوتھا اور جو ہزاروں بنی اسرائیلی بچوں کا قاتل تھا۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے دو پیغمبروں کو بھیجا اور ان کو نصیحت کی کہ "فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ [64] مفتی محمد شفیع اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔" فرعون جو خدائی کا دعویدار جبار اور ظالم ہے۔ جو اپنی ذات کی حفاظت کے لئے ہزارہا بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل عام کا مجرم ہے اس کی طرف بھی اللہ تعالیٰ اپنے خاص پیغمبروں کو بھیجتے ہیں تو یہ ہدایت نامہ دے کر بھیجتے ہیں کہ اُس سے بات نرم کریں تاکہ اس کو غور و فکر کا موقع ملے۔ اور یہ اُس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ فرعون اپنی سرکشی سے اور گمراہی سے باز آنے والا نہیں ہے مگر اپنے پیغمبروں کو اس اصول کا پابند کرنا تھا جس کے ذریعہ خلقِ خدا سوچنے سمجھنے پر مجبور ہو کر خدا تعالیٰ کے خوف کی طرف آجائے۔ فرعون کو ہدایت ہو یا نہ ہو مگر اصول وہ ہونا چاہیے جو ہدایت واصلاح کا ذریعہ بن سکے" [65] قرآن حکیم میں جہاں دعوت کے عمومی اصولوں میں حکمت، موعظہ حسنہ اور جدال احسن کی تلقین کی گئی ہے۔ وہاں اہل کتاب سے تحقیق کے ساتھ جدال احسن کا حکم الگ سے بھی دیا گیا ہے۔ مشرکین سے جدال کا امکان کم ہی تھا لیکن اہل کتاب چونکہ الہامی مذاہب کے پیروکار تھے لہذا ان سے مذہبی جدال کا زیادہ امکان تھا۔ اس لئے ان سے جدال احسن کے ساتھ اُنہیں مشترکہ تعلیم کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۖ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْنَا وَأُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلَٰهُنَا وَإِلَٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ [66] "اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو! مگر ایسے طریق سے جو بہتر ہو۔ اور صرف انہیں سے جھگڑا کرو جو ان میں سے بے انصاف ہیں اور ان سے یوں کہو کہ ہم تو اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہماری طرف نازل کی گئی اور اس پر بھی جو تمہاری طرف نازل کی گئی اور ہمارا اور تمہارا الہ ایک ہی ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔" مولنا عبد الرحمن کیلانی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بحث کا انداز بھی خود ہی سمجھا دیا۔ یعنی جن جن باتوں میں فریقین میں موافقت اور مطابقت پائی جاتی ہے۔ پہلے ان کا ذکر کر کے اُنہیں اپنی طرف مائل کیا جائے۔ یہ نہ ہونا چاہیے کہ ابتدا میں اختلافی امور کو زیر بحث لاکر فریق مخالف کو اپنا مزید مخالف بنالیا جائے۔ یعنی زبان شیریں اور انداز گفتگو ایسے ناصحانہ ہونا چاہیے جس سے وہ چڑ جانے کی بجائے بات کو تسلیم کر لینے پر آمادہ ہو جائے۔" [67] اس آیت مبارکہ میں "الا

الذین ظلمو سے بعض مفسرین نے یہ مراد لی ہے کہ ان ظالموں سے جلال احسن کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ان کی سختی کا جواب بھی ان کو اسی طریقے سے دیا جائے، چنانچہ مفتی محمد شفیع اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ "الا الذین ظلموا، مگر وہ لوگ جنہوں نے تم پر ظلم کیا کہ تمہاری باوقار نرم گفتگو اور دلائل واضحہ کے مقابلہ میں ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیا تو وہ اس احسان کے مستحق نہیں رہے، بلکہ ایسے لوگوں کو جواب ترکی بہ ترکی دیا جائے تو جائز ہے، اگرچہ اولی اور بہتر اس وقت بھی یہی ہے کہ ان کی بدخوئی کا جواب بدخوئی سے اور ظلم کا جواب ظلم سے نہ دیں۔ بلکہ کج خلقی کے جواب میں خوش خلقی اور ظلم کے جواب میں انصاف کا مظاہرہ کریں۔" [68] مولنا اصلاحی کے نزدیک آیت میں اس جملے سے یہ مراد نہیں ہے کہ ایسے عناصر کو انہی کی طرح جواب دیا جائے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے بحث و مباحثہ ہی نہ کیا جائے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ عام طور پر مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اہل کتاب میں سے جو مناظرہ باز اور شریر قسم کے لوگ ہیں ان کے ساتھ طریق احسن کی پابندی نہیں ہے یعنی طریق احسن کی پابندی فقط سلیم الطبع قسم کے لوگوں کے ساتھ ہے، ان لوگوں کو ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے۔ مولنا اصلاحی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ استثنائے منقطع ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ان شریر اور مناظرہ باز قسم کے لوگوں کے ساتھ سرے سے مباحثہ ہی مت کرو۔ قرآن کریم میں کئی نظائر سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مناظرہ باز قسم اور ہٹ دھرم لوگوں سے اعراض کی تلقین کی گئی ہے۔ شریروں اور کج فہموں کے جواب میں انہی جیسی روش اختیار کرلینا اور الزام کا جواب الزام سے، اینٹ کا جواب پتھر سے دینا انبیاء علیھم السلام کا طریقہ نہیں ہے لہذا اس میں کوئی خیر بھی نہیں ہے۔ [69] ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک اس استثناء سے یہ دونوں مفاہیم مراد ہوسکتے ہیں اور بحث و تمحیص کے دوران مجادلہ اور سخت جملوں کے تبادلے کی بھی نوبت آسکتی ہے اور ایسے لوگوں سے مزید گفتگو سے اعراض بھی کیا جاسکتا ہے۔ [70] خلاصہ یہ ہے کہ دعوت کے کام میں بحث و تمحیص کا ہونا اس کا حصہ ہے اس سے مفر ممکن نہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اگر حریف اشتعال انگیز رویہ اختیار کرلے تو اس کے رویہ سے متاثر ہو کر صبر و شائستگی کا دامن ہاتھ سے چھوڑ نہیں دینا چاہیے۔ اور اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دینا چاہیے۔ بلکہ ہر حالت میں وقار اور شائستگی کو برقرار رکھنا چاہیے۔ [71]

مسلم اقلیت کے مسائل اور بین الممالک معاہدات: عصر حاضر کے بین الممالک تعلقات میں پیچیدہ صورت حال اور باہمی نزاع کا ایک اہم مسئلہ غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمان اقلیت کے مسائل اور اسلامی ریاست کے طور پر ہمسایہ یا غیر ہمسایہ مگر اسلامی ریاست کا ان مسلمانوں کے مسائل میں ان کی عملی مدد وغیرہ سے متعلق ہے۔ قرآن حکیم نے دار السلام سے باہر آباد مسلمانوں کی کفار کے مقابلے میں عملی مدد کا اصول واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ "**وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ**" [72] اس سے واضح ہوتا ہے کہ کسی قوم یا معاہد ملک کے مقابلے میں وہاں آباد مسلم اقلیت کی مدد کرنا اسلامی ریاست کے لئے جائز نہیں ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں۔ "اگر کسی مسلم اقلیت پر زیادتی ہو رہی ہو اور ان کو ان کے دین پر آزادی سے عمل کرنے نہ دیا جاتا ہو اور وہ اسلامی ریاست سے مدد کا مطالبہ کریں تو اسلامی

ریاست ان کو مدد فراہم کرنے کی پابند ہے۔ بشرطیکہ اسلامی ریاست اور غیر مسلم سٹیٹ کے درمیان کوئی ایسا معاہدہ نہ ہو جو اس سلسلے میں رکاوٹ بن سکے۔"[73] مفتی محمد شفیع اس آیت میں استثنائی حکم کا سبب اور اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "اور جب قرآن کریم نے مہاجر مسلمانوں کو اُن کی امداد کا حکم دے دیا تو بظاہر اس سے یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ ہر حال میں اور ہر قوم کے مقابلہ میں ان کی امداد کرنا مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ قوم جس کے مقابلہ پر اُن کو امداد مطلوب ہے اُس سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ التواء جنگ کا بھی ہو چکا ہو۔ حالانکہ اصولِ اسلام میں عدل و انصاف اور معاہدہ کی پابندی ایک اہم فریضہ ہے۔ اس لئے اس آیت میں ایک استثنائی حکم یہ بھی ذکر فرما دیا گیا کہ اگر غیر مہاجر مسلمان مہاجر مسلمانوں سے کسی ایسی قوم کے مقابلہ پر مدد طلب کریں جس سے مسلمانوں نے ترکِ جنگ کا معاہدہ کر رکھا ہے تو پھر اپنے بھائی مسلمانوں کی امداد بھی معاہد کفار کے مقابلے میں جائز نہیں۔"[74] مولنا مودودیؒ نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ ان کے نزدیک اس آیت میں جس رشتہ ولایت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دستوری اور سیاسی ولایت ہے جس کا دائرہ صرف دار السلام یا اسلامی ریاست کے شہریوں تک محدود ہے۔ اسلامی ریاست سے باہر آباد مسلمانوں کا اس ولایت سے تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ "یہ آیت اسلام کے دستوری قانون کی ایک اہم دفعہ ہے۔ اس میں یہ اصول مقرر کیا گیا ہے کہ "ولایت" کا تعلق صرف ان مسلمانوں کے درمیان ہو گا جو یا تو دارالسلام کے باشندے ہوں، یا اگر باہر سے آئیں تو ہجرت کر کے آجائیں۔ باقی رہے وہ مسلمان جو اسلامی ریاست کے حدود ارضی سے باہر ہوں، تو ان کے ساتھ مذہبی اخوت تو ضرور قائم رہے گی، لیکن "ولایت" کا تعلق نہ ہو گا، اور اسی طرح ان مسلمانوں سے بھی یہ تعلق ولایت نہ رہے گا جو ہجرت کر کے نہ آئیں بلکہ دارالکفر کی رعایا ہونے کی حیثیت سے دارالسلام میں آئیں۔"[75] اسی طرح دستوری اور سیاسی ولایت کی حدود کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "پس یہ آیت "دستوری و سیاسی ولایت" کو اسلامی ریاست کے ارضی حدود تک محدود کر دیتی ہے، اور ان حدود سے باہر کے مسلمانوں کو اس مخصوص رشتہ سے خارج قرار دیتی ہے۔ علاوہ بریں یہ آیت اسلامی حکومت کی خارجی سیاست پر بھی اثر ڈالتی ہے۔ اس کی رو سے دولت اسلامیہ کی ذمہ داری ان مسلمانوں تک محدود ہے جو اس کی حدود کے اندر رہتے ہیں۔ باہر کے مسلمانوں کے لیے کسی ذمہ داری کا بار اس کے سر نہیں ہے۔ یہی وہ بات ہے جو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس حدیث میں فرمائی ہے کہ **أنا بريء من كل مسلم يقيم بين أظهر المشركين۔** "میں کسی ایسے مسلمان کی حمایت و حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو۔" اس طرح اسلامی قانون نے اس جھگڑے کی جڑ کاٹ دی ہے جو بالعموم بین الاقوامی پیچیدگیوں کا سبب بنتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی حکومت اپنے حدود سے باہر رہنے والی بعض اقلیتوں کا ذمہ اپنے سر لے لیتے ہے تو اس کی وجہ سے ایسی الجھنیں پڑ جاتی ہیں۔ جن کو بار بار کی لڑائیاں بھی نہیں سلجھا سکتیں۔"[76] جس طرح اسلامی ریاست یا اس کے شہری کے لئے معاہد ریاست کے مسلمان شہریوں کی مدد جائز نہیں ہے اسی طرح دارالحرب یا دارالعہد میں بسنے والے مسلمان بھی اسلامی ریاست کی عسکری طور پر مدد کرنے کے پابند نہیں ہیں۔[77]

مسلم ممالک کے درمیان نزاع: اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں، گروہوں یا دو ممالک کے درمیان جنگ کی نوبت آجائے، تو دیگر مسلمانوں کا فرض ہے ان کے درمیان تنازعات کو ختم کرکے ان میں صلح کرادیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔"وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ""اگر اھل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ پھر اگر ان میں ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کراؤ۔ اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" اس آیت سے درج ذیل اجتماعی اصول نکلتے ہیں۔

1۔ اگر مسلمانوں کے دو گروہوں یا دو ممالک کے درمیان لڑائی ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں کو نہ تو پرایا جھگڑا سمجھ کر اس سے الگ تھلگ رہنا چاہیے اور نہ بغیر تحقیق کے محض قبائلی، علاقائی اور گروہی عصبیت کی بناء پر کسی فریق کی مخالفت کرنی چاہیے۔ بلکہ دونوں فریقوں کا موقف جان کر اور ساری صورتحال سمجھ کر فریقین کے مابین مصالحت کی کوشش کرنی چاہیے۔

2۔ اگر فریقین میں سے کوئی گروہ مصالحت پر آمادہ نہیں ہے بلکہ ہر صورت جنگ جاری رکھنا چاہتا ہے، یا مصالحت کے لئے ایسی شرائط پیش کرے جو عدل و انصاف کے تقاضوں کے منافی ہو تو اس صورتحال میں دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس کے خلاف طاقت کا استعمال کریں اور اس کو مصالحت پر آمادہ کرنے کی کوشش کریں۔

3۔ اس طرح کے معاملات اور تنازعات میں غیر جانبدار قومیں عدل وانصاف کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جو شرائط طے کریں گے فریقین کے لئے ان کی پابندی اسی طرح لازمی ہوگی جس طرح دیگر احکامِ شریعت کی لازمی ہے۔

4۔ مصالحت کے بعد اگر کوئی فریق شرائط صلح کی پابندی نہیں کرے گا یا دوسرے فریق پر تعدی کرے گا تو دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس کی سرکوبی کریں۔[78]

اگر مسلمانوں کے درمیان کوئی مرکزی حکومت ایسی نہ ہو جو فریقین کے درمیان مداخلت کرکے جنگ بندی اور شرائط صلح طے کراسکے۔ جیسا کہ عصر حاضر کی صورتحال ہے کہ بہت سی چھوٹی بڑی مسلمان حکومتیں الگ الگ قائم ہوگئی ہیں اور ان کے درمیان متعدد امور پر باہمی اختلاف بھی موجود ہیں جو کئی مرتبہ لڑائی کا باعث بن چکے ہیں۔ لھذا ایسی صورت حال میں کسی مسلمان ملک کا اس قضیہ سے بالکل الگ تھلگ رہنا تو جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ آیت میں حکم دیا گیا ہے مصالحت کی کوشش کرنا ضروری ہے، جہاں تک عملی مداخلت کا تعلق ہے اگر اس سے مزید بین الملکی یا بین الاقوامی پیچیدگیاں پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو عملی مداخلت سے گریز کیا جائیگا۔ لیکن مصالحت کی کوششیں جاری رہیں گی۔

بین الاقوامی اصولوں کی پاسداری: اسلام مسلمہ بین الاقوامی اصولوں اور روایات کی پاسداری کی تلقین کرتا ہے ان اصولوں میں جو ازمنہ قدیم سے قوموں میں مسلمہ چلے آرہے ہیں، قاصدوں اور سفیروں کے جان ومال کا تحفظ اور ان کی سلامتی ہے۔ اسلام میں بھی سفیروں اور

قاصدوں کے جان و مال کے تحفظ کا حکم دیا گیا ہے اور ان کو کسی بھی قسم کا ضرر پہنچانے سے منع کیا گیا ہے۔ مسلمہ کذاب کا قاصد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور گستاخانہ گفتگو کی تو آپؐ نے فرمایا۔"**لولا انک رسول لضربت عنقک**"[79]"اگر تو قاصد نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔" چنانچہ شرح السیر الکبیر میں امام سرخسیؒ نے اصول بیان کیا ہے کہ "**أن الرسول من الجانبين يكون أمنا من غير استمان**۔[80] فریقین کی طرف سے آنے والا سفیر بغیر امان کے بھی محفوظ ہو گا۔" عصر حاضر کے بین الاقوامی قوانین میں بھی سفیروں کو استثناء حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اکثر بڑی طاقتیں کمزور اقوام کے سفیروں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ نہیں کرتی اور اپنے ہی قائم کردہ اصولوں کو پامال کرتی ہیں، جس کی وجہ سے نہ صرف بین الاقوامی اصول پامال ہوتے ہیں، بلکہ تنازعات بھی جنم لیتے ہیں اور اقوام کے درمیان جنگوں کا سبب بنتے ہیں۔ اسی طرح جنگ کے دوران امان طلب کرنے والوں کو تحفظ دینا بھی قرآن حکیم کا حکم ہے۔

تالیف قلبی: سیاست شرعیہ کے تحت لوگوں کی اعانت کرنا، تاکہ ان کے اثر و رسوخ سے استفادہ کیا جاسکے۔ یا ان کے ضرر سے بچا جاسکے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ جو لوگ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سرگرم ہوں، مال دیکر ان کے جوش عداوت کو کم کیا جائے۔ اسی طرح نو مسلموں کی اعانت کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں خرچ کی اس مد کو ختم کر دیا تھا اور دلیل یہ دی تھی کہ اب اسلام کو عروج حاصل ہو گیا ہے، لھذا اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ صحابہ کرامؓ کے دور میں اسی پر عمل ہوتا رہا لیکن بعد کے فقہاء نے سیاست شرعیہ کے تحت اپنے زمانے کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے جواز میں فتویٰ دیئے۔ چنانچہ امام شوکانی لکھتے ہیں۔"**والظاهر جواز التكاليف عند الحاجة اليه**"[81]"ظاہر بات یہ ہے کہ ضرورت کے وقت تالیف کی اجازت ہے۔" یہ ایک سیاسی خرچ ہے اور ہر زمانے میں حکومتوں کو اس کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے، عصر حاضر میں تو حکومتیں اس مد میں کثیر رقوم خرچ کرتی ہیں۔ تاکہ مختلف امور میں ان کو بڑی اور طاقتور اقوام کی حمایت حاصل ہو سکے۔

تنازعات سے گریز: اسلام امن کا دین ہے اور دنیا میں امن کا پیغامبر بن کر آیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا مقصد بھی ایک ایسے عالمی معاشرے کا قیام تھا جو امن اور سلامتی پر مبنی ہو۔ جس میں کوئی انسان دوسرے انسان کا تمسخر اڑائے اور نہ کوئی قوم دوسری قوم کا تمسخر اڑائے۔[82] اس دنیا میں تمام انسانوں کو یکساں معزز اور قابل احترام قرار دیا گیا ہے۔[83] دشمن کے خلاف اس وقت تک جنگ کی اجازت نہیں دی گئی جب تک وہ خود جنگ نہ شروع کر دے۔ دنیا میں جو معاملات نزاع کا سبب بن سکتے ہیں جیسے نسلی، قومی اور لسانی تفاخر، اسلام نے ان سب کی نفی کر دی ہے اور برتری کا معیار انسانی کردار کو قرار دیا ہے۔ عقائد اور دیگر اختلافی امور میں مخالفین کو مشترکہ اصول و نکات پر اشتراک کی دعوت دی ہے۔

خلاصہ بحث:

1. قرآن حکیم میں تمام اقوام کے ساتھ مشترکہ اصولوں پر تعلقات قائم کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

2. قرآن حکیم جہاں ظلم و زیادتی سے روکتا ہے وہاں بلا تمیز تمام افراد بشمول دشمن سے بھی منصفانہ برتاؤ کی تعلیم دیتا ہے اور دشمن قوم سے عدل و انصاف کو بہت بڑی نیکی اور تقویٰ قرار دیتا ہے۔
3. دیگر ممالک کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں قرآنی تعلیمات میں معاہدات کے احترام کا حکم دیا گیا ہے۔
4. قرآن حکیم میں دشمن کی کمزور حیثیت کے باوجود اس کی طرف سے صلح کی پیشکش کا احترام کرنے اور اس کا مثبت جواب دینے کا حکم دیا گیا ہے۔
5. غیر مسلم اقوام سے تعلقات کے سلسلے میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں ان سے تعلقات نہ رکھے جائیں۔ البتہ اپنے قومی اور ملی مفادات کا نقصان کئے بغیر تمام اقوام سے برابری کی سطح پر تعلقات قائم کئے جاسکتے ہیں۔
6. مسلم ممالک کے درمیان تنازعات کی صورت میں دیگر مسلمان ممالک کو صلح جو کا کردار ادا کرنا چاہیے۔
7. بین الممالک تعلقات امن، صلح، عدل و انصاف اور باہمی تعاون و تناصر کے اصولوں پر مبنی ہونے چاہیے اور اس سلسلے میں مسلّمہ بین الاقوامی اصولوں کی پاسداری کرنا ہر قوم و ملک کا فرض ہے۔
8. ان تعلیمات کی روشنی میں پالیسی تشکیل دینے اور اس پر نیک نیتی کے ساتھ عمل پیرا ہونے سے عالمی امن کی راہ ہموار ہو سکتی ہے اور ممالک کے درمیان اختلافات کا پرامن حل نکل سکتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات:

---

[1] المائدہ:82

[2] اسرار احمد، ڈاکٹر، بیان القرآن، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، 2018ء، ج2، ص،302

[3] ایضاًج2، ص303

[4] غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، اسلام کا قانون بین الممالک اسلام آباد، شریعت اکیڈمی، 2014، ص87

[5] ایضاً، ص316

[6] آل عمران:28

[7] اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، 2009ء، ج2، ص67

[8] ایضاً، ج2، ص،543

[9] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی، 1994ء، ج8، ص 381

[10] مودودی، ابولاعلی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ج5، ص433

[11] الانعام:108

[12] اسرار احمد، ڈاکٹر، بیان القرآن، ج3، ص66

[13] آزاد، ابوالکلام، بیان القرآن، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ج2، ص497

[14] سواتی، عبدالحمید معالم العرفان72، ص،336

[15] تفصیل کے لیے لکھئے، سواتی، عبدالحمید، صوفی، معالم العرفان، مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ، ج2، ص409، مکتبہ دروس القرآن، 2013ء

[16] مودودی ابوالاعلی، تفہیم القرآن، ج6، ص470

[17] المائدہ:8

[18] المائدہ:2

[19] البقرہ:114

[20] المائدہ:2

[21] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج3، ص19

[22] المائدہ:1

[23] محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج3، ص12

[24] اسرار احمد، ڈاکٹر، بیان القرآن، ج2، ص247

[25] التوبہ:4

[26] البھیقی، احمد بن الحسن، السنن الکبری، بیروت، دارالکتب العربیہ، 2003ء، ج8، ص435

[27] اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، ج3، ص539

[28] الانفال:58

[29] کیلانی، عبدالرحمٰن، تیسیر القرآن، مکتبہ السلام، لاہور، 1433ھ، ج2، ص164

[30] مودودی، ابوالاعلی، تفہیم القرآن، ج2، ص155

[31] اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، ج2، ص327

[32] ایضاً، ج2، ص350

[33] النساء:90

[34] اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، ج2، ص359

[35] آزاد، ابوالکلام، ترجمان القرآن، ج2، ص419

[36] کیلانی، عبدالرحمن، تیسیر القرآن، ج1، ص149

[37] ایضاً، ج1، ص149

[38] النساء:91

[39] اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، ج2، ص361

[40] المائدہ:2

[41] محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج3، ص23

[42] اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، ج8، ص258

[43] آزاد، ابوالکلام، ترجمان القرآن، ج1، ص442

[44] تفصیل کے لئے دیکھئے، کیلانی، عبدالرحمٰن، تیسیر القرآن، ج1ص498

[45] ھود:113

[46] سواتی، عبدالحمید، معالم العرفان، ج10، ص556

[47] آزاد، ابوالکلام، ترجمان القرآن، ج2، ص106

[48] الانفال:61

[49] آزاد، ابولکلام، ترجمان القرآن، ج2، ص106

[50] سواتی، عبدالحمید، معالم العرفان، ج9، ص185

[51] انساء:128

[52] محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج2، ص564

[53] سواتی، عبدالحمید، معالم العرفان، ج5، ص566

[54] ایضاً۔ ص568

[55] البھیقی، احمد بن الحسن، السنن الکبری، ج6، ص107۔ رقم الحدیث۔11353

[56] آزاد، ابوالکلام، ترجمان القرآن، ج2، ص115

[57] بنی اسرائیل:53

[58] آزاد، ابوالکلام، ترجمان القرآن، ج2، ص390

[59] اندلسی، ابوحیان، البحر المحیط، بیروت، دارلفکر،1420ھ، ج7، س67

[60] آزاد، ابوالکلام، ترجمان القرآن، ج2، ص391

[61] النحل، 125

[62] اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن ج4، ص463

[63] ایضاً، ج2، ص112

[64] طٰہ:44

65 مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج6، ص109

66 العنکبوت:46

67 کیلانی، عبد الرحمٰن، ج3، ص487

68 مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج6، ص702

69 اصلاحی، تدبر قرآن، ج6، ص55، مکمل حوالہ

70 ڈاکٹر اسرار احمد، بیان القرآن، ج5، ص410

71 اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، ج4، ص464

72 الانفال:72

73 غازی، ڈاکٹر محمود احمد، اسلام کا قانون بین الممالک، ص448

74 مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج4، ص296

75 مودودی، ابوالاعلی، تفہیم القرآن، ج2، ص161

76 ایضاً، ج2، ص161

77 غازی، ڈاکٹر محمواحمد، اسلام کا قانون بین الممالک، ص578

78 اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، ج7، ص499

79 ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، المکتبہ العصریہ، بیروت، ج3، ص84، رقم الحدیث2762

80 السرخسی، محمد بن احمد، شرح السیر الکبیر، الشرکۃ الشوقیہ، ج1، ص979

81 شوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار، دارالحدیث، 1413ھ، ج4، ص198

82 الحجرات:12

83 بنی اسرائیل:70

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.